© rasailojaraid.com

دیتا ہوں اور میری برکت کی کوئی حد نہیں ہوتی اور جب میری نافرمانی کی جاتی ہے تو میرا غضب اترتا ہے اور جب میرا غضب اترتا ہے تو میری لعنت نافرمانی کرنے والے کی ساتویں اولاد تک پہنچتی ہے"

نیز امام احمدؒ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت معاویہؓ کو ایک مراسلہ کھیجا جس میں انھوں نے لکھا

اما بعد! فان العبد اذا عمل بمعصیة عاد حامدہ ذاما

اما بعد! جب بندہ خدا کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کی تعریف کرنے والے بھی اس کی مذمت کرنے لگتے ہیں۔

ابو نعیم حضرت ابوالدرداء سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ آدمی کو چاہئے کہ ایمان والوں کی لعنت سے اپنے کو بچائے کیونکہ وہ اس طرح اترتی ہے کہ اس کا پتہ بھی نہیں چلتا اس کے بعد فرمایا جانتے ہو یہ کس طرح؟ میں نے کہا نہیں فرمایا جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے دلوں میں اس کی جانب سے اس طرح نفرت پیدا کردیتا ہے کہ اس کی سمجھ میں بھی نہیں آتی"

عبداللہ بن ابا احمدؒ کتاب الزہد میں روایت کرتے ہیں امام محمد سیرین کچھ قرضدار ہو گئے اور قرض کے غم میں بہت پریشان رہنے لگے۔ ایک دن فرمانے لگے اس غم اور پریشانی کا سبب مجھے معلوم ہے یہ اس گناہ کا نتیجہ ہے جو آج سے چالیس سال پیشتر مجھ سے سرزد ہوا تھا۔

یہاں ایک باریک نکتہ ہے جو نہایت قابل غور ہے اور جس کے سمجھنے میں عموماً غلطی لوگوں نے کی ہے اور وہ یہ کہ گناہ کی تاثیر فوراً نظر نہیں آتی۔ اور بندہ گناہوں کو بھول جاتا ہے اور پھر خیال کرنے لگتا ہے کہ گناہ کا اثر کچھ باقی نہیں رہا اور اس شعر کے مطابق اس کے خیالات ہو جاتے ہیں

اذا لم یغبر حائطانی وقوعه فلیس له بعد الوقوع غبار

جب کھڑی دیوار غبار آلود نہیں ہوئی تو گر جانے کے بعد وہ کیا غبار آلود ہوگی

اللہ۔اللہ! اس دقیق نکتہ سے بے خبری کی وجہ سے خدا کی کتنی مخلوق ہلاک و برباد ہوگئی اور بڑی بڑی نعمتوں سے خدا کے بندے محروم ہو گئے؟ اور کیسے کیسے عذاب اپنے سروں پر اٹھائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑے بڑے علماء، فضلاء، دھوکہ کھا گئے۔ جاہلوں اور احمقوں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے یہ فریب خوردہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ عرصہ کے بعد بھی گناہوں کا پھوڑا پھوٹے بغیر نہیں رہتا۔ سنان وسیف کا زخم بھر جاتا ہے۔ مگر معمولی سی بے اعتدالی اور بد پرہیزی اسے تازہ کر دیتی ہے۔

امام احمدؒ۔ حضرت ابو الدرداء سے روایت کرتے ہیں "اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہے ہو اور اپنے کو مردہ سمجھو اور یہ سمجھ لو کہ تھوڑا سا جو تمہیں کافی ہو جائے غفلت میں ڈالنے والے کثیر سے بہتر ہے۔ اور سمجھ لو نیکی پرانی نہیں ہوتی اور گناہ کو کبھی بھولنا نہیں چاہیئے۔"

کسی بزرگ نے ایک خوبصورت لڑکے کو دیکھا اور اس کی خوبصورتی پر کچھ دیر غور کرتے رہے جب رات کو سو گئے تو خواب میں وہ لڑکا ان کے سامنے آیا۔ اور کہنے لگا اس کا انجام تم چالیس سال کے بعد دیکھو گے۔

گناہوں کا اثر گو دیر ظاہر ہوتا ہے لیکن اس کا کچھ نہ کچھ اثر فوری طور پر ضرور ظاہر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت سلیمان تیمی کہتے ہیں۔ انسان رات کو مخفی طور پر گناہ کرتا ہے لیکن صبح کو وہ اس حالت میں اٹھتا ہے کہ اس کی ذلت اس کے سر پر سوار ہوتی ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ الرازی کہتے ہیں۔ مجھے اس عقل مند پر تعجب ہوتا ہے جو یہ دعا مانگتا ہے "اَللّٰھُمَّ لَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ: اے اللہ دشمنوں کو مجھ پر نہ ہنسانا، لیکن افسوس وہ خود اپنے دشمنوں کو اپنے اوپر ہنساتا ہے۔" کسی نے پوچھا یہ کیوں کر؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے جس سے قیامت کے دن یقیناً اس کی ہنسی ہوگی۔

ذالنون فرماتے ہیں جو شخص چھپ چھپا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت کرے گا۔ ...کو ظاہر کر دے گا اور اس کا راز فاش کر دے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

التقریظ والانتقاد

"جامع المجددینؒ"

از

سعید احمد

(۳)

لائق مولف نے حضرت مولانا تھانویؒ کے اوصاف شماری میں جس مبالغہ اور غلو سے کام لیا ہے وہ نہ صرف یہ کہ مولانا مرحوم کے اُن ارشادات کے منافی ہے جو آپ نے مریدوں کے آداب کے ذیل میں بیان فرمائے ہیں بلکہ مولانا کے اُن بعض ارشادات کے بھی خلاف ہے جن میں مولانا نے اپنے مزاج اور افتاد طبع کی طرف اشارے کئے ہیں۔ مثلاً جناب مولف کا دعویٰ یہ ہے کہ "علم وعمل میں حدود کی رعایت اس درجہ تھی کہ .... لوازم بشریت کے ساتھ اس سے زاید کا تصور دشوار ہے" (ص ۴۴) فلسفۂ اخلاق کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ علم وعمل میں حدود کی اس انتہائی رعایت کا مقام کسی شخص کو اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ اس کی تینوں باطنی قوتوں یعنی قوت نظری قوت غضبی اور قوت شہوی میں اعتدال پایا جائے جب ان تینوں قوتوں میں اعتدال پیدا ہوتا ہے تو اس سے فضائل پیدا ہوتے ہیں اور ان سب کے مجموعہ سے نتیجۃً فضیلت عدالت پیدا ہوتی ہے جو انسانی شرف و مجد کا سب سے بڑا طغرائے امتیاز ہے اور انسانی کمالات میں جو فرق مراتب پایا جاتا ہے وہ بھی ان مذکورہ بالا قوتوں کے اعتدال کی کمی اور زیادتی پر مبنی ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ علم وعمل میں حدود کی اس انتہائی رعایت کا مقام اسی وقت میسر آسکتا ہے جب کہ کسی ایک قوت میں نہیں بلکہ تمام قوتوں میں یکساں اعتدال پایا جائے۔ اگر دو قوتوں میں اعتدال ہے اور تیسری میں نہیں تو اور جو کچھ بھی ہو مگر یہ مقام حاصل نہیں ہوگا۔ اب اس تمہید کے بعد حضرت مولانا تھانوی کے ارشادات ذیل ملاحظہ فرمائیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) عقد ثانی کے واقعہ پر اپنے تاثرات واحساسات بیان فرماتے ہوئے ارشاد کرتے ہیں "حلم و تحمل کا ذوق نہ تھا (ص ۴۳)

(۲) ایک اور مقام پر فرماتے ہیں "احقر مدتوں سے اپنے متعلقین کو ایسے مواقع پر زبانی احتساب کرتا رہتا ہے۔ گو اس میں اتنی خطا ضرور ہے کہ بعض وقت مزاج میں حدت پیدا ہو جاتی ہے"

مولانا مرحوم کو خود اس کا احساس ہے کہ مزاج میں یہ حدت محمود نہیں ہے۔ چنانچہ اس کے بعد بھی فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ معاف کر کے اصلاح فرما دے" (ص ۵۰۲)

فلسفۂ اخلاق کے کسی مبتدی سے پوچھئے وہ بتائے گا کہ حلم وتحمل کے ذوق کا نہ ہونا اور مزاج میں حدت، یہ نتیجہ ہوتا ہے قوت غضبی میں اعتدال کے نہ ہونے کا۔ پس جب ایک قوت میں اعتدال نہیں ہوگا تو فضیلت عدالت کی شرط نہ پائی جائیگی اور جب عدالت نہ ہوگی تو ہمارے مولف نے جو مقام تجویز کیا ہے وہ کیونکر حاصل ہوگا؟ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ ہمارا مقصد حاشا وکلا حضرت تھانوی کی تنقید اور ان کا استخفاف نہیں۔ بلکہ صرف مولف کے قلم اور ان کے فکر ونظر کی کجروی پر تنبیہ مقصود ہے اس لئے اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ البتہ اس سلسلہ میں ایک چیز کا اور بیان کر دینا ضروری ہے جو قارئین کے لئے انتہائی عبرت آموز بھی ہوگی اور دلچسپ بھی۔

حضرت تھانوی اپنی دونوں بیگمات کے درمیان جو عدل قائم رکھتے تھے وہ ایک امر واقع ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ اپنے بعض خصائل وخصائص کی طرح وہ اس میں بھی بہت ممتاز تھے۔ لیکن جناب مولف نے اس کو جس آب وتاب کے ساتھ بیان کیا ہے اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ فلسفہ کا ایک استاد سابق تو درکنار کوئی معمولی درجہ کی سمجھ رکھنے والا بھی ایسی بات کہہ سکتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"اہتمام کی انتہا یہ تھی کہ ایک (بیوی) کی باری میں دوسری بیوی کا خیال لانا بھی خلاف سمجھتے تھے کہ جس کی باری ہے اس کی طرف توجہ میں کمی ہوگی۔ جو حق تلفی ہے"

اس کے بعد مولانا تھانوی کا ایک واقعہ لکھ کر دوسروں پر چھینٹے اڑانے اور کیچڑ اچھالنے کی جو خو مولف نے پیدا کرلی ہے اس کے مطابق فرماتے ہیں "بھلا یہاں تک ذہن بھی کس کا جاسکتا ہے سوائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے جو اپنے قلب کی ہر جنبش کی نگرانی کرتا اور ہمہ وقت اپنے کو حق تعالیٰ کے حضور میں پاتا اور اس کو حاضر و ناظر جانتا ہو" (ص ۱۶۰)

غور کیجئے جناب مولف نے حضرت تھانوی کے انتہائی عدل بین الزوجتین کی جو کیفیت بیان کی ہے وہ عقلی، منطقی اور نفسیاتی طور پر کس قدر غلط اور بے معنی ہیں۔ اور ساتھ ہی اس سے کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص ہوتی ہے۔ عقلی منطقی اور نفسیاتی طور پر اس کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انسانی خیال پر کبھی روک ٹوک نہیں لگائی جاسکتی اس پر ہرگز پہرہ نہیں بٹھایا جاسکتا۔ یعنی آپ کسی خیال کی نسبت لاکھ عہد کریں کہ ایسے اپنے دل یا دماغ میں گھسنے ہی نہ دیں گے آپ اس میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ دماغ میں خیال کے در آنے کے بیشمار دروازے ہیں آپ کے فکر و شعور کی دسترس سے باہر ہیں۔ کسی شے کا خیال آنے کے لئے شرط یہ ہے کہ آپ کو اس شے سے کتنا تعلق ہے۔ جتنا تعلق ہوگا بس اسی کے مطابق خیال کی آمد و رفت ہوگی۔ خواہ آپ کو اس خیال سے راحت ہو یا تکلیف۔ آپ اس سے خوش ہوں یا مغموم، آپ جسمانی طور پر یا دماغی اعتبار سے کسی امر میں کتنے ہی مصروف ہوں۔ بہر حال خیال کے آنے کے دروازے بند نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ رات کی خاموشیوں میں جبکہ آپ کے حواس کی مملکت پر نیند کا قبضہ ہوجاتا ہے آپ کی قوت متخیلہ اس وقت بھی بیدار رہتی ہے اور اس کھڑکی کے ذریعہ دماغ میں خیالات کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ عربی کا ایک شاعر کہتا ہے۔

ذکرتک والخطی یخطر بیننا   وقد نھلت منا المثقفۃ السمر

ترجمہ:۔ پیاری۔ میں نے تجھکو اس وقت بھی یاد کیا جب کہ گندمی رنگ کے تیز دھار والے خطی نیزے میدان جنگ میں، ہمارے خون سے اپنی پیاس بجھا رہے تھے اور کھٹا کھٹ چل رہے تھے۔

اس خیال کے آنے میں نہ میلوں اور کوسوں کی بعد مسافت حائل ہوتی ہے اور نہ زندان و محن کی اونچی اور آہنی دیواریں۔

خیال لام السلسبیل ودونھا   مسیرۃ شھر للبرید المذبذب

ترجمہ:۔ میری محبوبہ ام سلسبیل کا خیال میرے پاس آتا ہے۔ حالانکہ میرے اور اس کے درمیان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ایک تیز رفتار قاصد کی ایک مہینہ کی مسافت حائل ہے۔

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے۔ عجبت لسراها وانی تخلصت ؛ الی وباب السجن دونی مغلق

ترجمہ :۔ میری محبوبہ کا خیال معلوم نہیں کس طرح میرے پاس چلا آیا۔ جبکہ قید خانے کا دروازہ میرے اوپر بند تھا۔

اس بناپر مولف کا یہ دعویٰ کہ حضرت تھانوی ایک بیوی کی باری میں دوسری بیوی کا خیال لانا بھی خلاف عدل سمجھتے تھے سرتاسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ اس کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں کہ یا تو مولانا تھانوی کی طرف اس خیال کی نسبت صرف جناب مولف کا اختراع فائقہ ہے۔ اور اس لئے ہے کہ مولانا کو ایک مافوق الفطرت ہستی ثابت کیا جائے۔ اور یا اگر یہ انتساب صحیح ہے تو پھر خود مولانا پر الزام آتا ہے کہ جو چیز انسان کے بس میں ہی نہیں ہے اُس کے وجود میں آنے کو وہ کس طرح خلاف عدل اور عند اللہ قابل مواخذہ سمجھتے تھے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بڑے سے بڑے گناہ کا تصور اور اُس کا خیال بھی شریعت میں نہ گناہ ہے اور نہ قابل مواخذہ تو پھر اپنی ایک رفیقۂ حیات کا خیال کیس طرح خلاف عدل (گناہ) ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے ابھی اشارہ کیا۔ جناب مولف کے خیال میں غالباً حضرت مولانا تھانوی کی فضل و کمال کا اعتراف اُس وقت تک ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ ایک نہایت معصومانہ انداز میں دوسرے حضرات پر فقرے نہ کسے جائیں اور ان پر طنز و تعریض نہ کی جائے لیکن نہایت افسوس اور بڑی شرم کی بات ہے کہ اس موقع پر وہ حبك الشئ یعمی ویصم کے مطابق اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کی تنقیص کر بیٹھے ہیں۔ تاریخ و سیر اور احادیث کی کتابوں میں صاف طور پر مذکور ہے کہ ... حضرت خدیجہ کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ آپ دوسری بیویوں کی باری کے دنوں میں اکثر ... سوز و گداز کے ساتھ اس طرح فرمایا کرتے تھے کہ اُس سے ازدواج مطہرات کو ... ی تنگ ہو جاتی تھی۔ حضرت خدیجہ کے بعد آپ کو حضرت عائشہ سے محبت تھی اور حضرت عائشہ بھی اسے جانتی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود فرماتی ہیں کہ "میں نے خدیجہ کو نہیں دیکھا لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجھکو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا ——— اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اُن کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے اس پر اپنی آزردگی کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ خدا نے مجھکو ان کی محبت دی ہے" (صحیح مسلم فضائل خدیجہ) غور کیجئے مولانا تھانوی کے نزدیک تو دوسری بیوی کا خیال لانا بھی خلاف عدل ہے۔ لیکن یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف خیال ہی نہیں لاتے ہیں بلکہ ذکر بھی فرماتے ہیں۔ اور ذکر بھی ایک دو دفعہ نہیں۔ بھول چوک سے نہیں بلکہ ہمیشہ اور عمداً و قصداً۔ اور ذکر بھی زندہ بیوی کا نہیں بلکہ مرحومہ کا۔ پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ سننے والی بیویوں کو اس سے آزردگی نہ ہوتی ہو۔ نہیں بلکہ انہیں آزردگی بھی ہوتی ہے اور وہ اس کا اظہار بھی کرتی ہیں۔ لیکن پیغمبر کا کیرکٹر یہ ہے کہ جو بات ہے آئینہ کی طرح صاف ہے۔ اور سورج کی طرح روشن ہے۔ آپ صاف فرماتے ہیں کہ مجھکو ان سے محبت ہے" اور صرف اسی پر بس نہیں ہے بلکہ آپ اس کے فضائل و محامد اور وجوہ ترجیح بھی بیان فرماتے ہیں جو ایک سوکن کے لئے مزید ناگواری کا باعث ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ ان کی بہن ہالہ سید لولاک سے ملنے آئیں۔ دروازے پر کھڑے ہو کر اجازت طلب کی۔ ان کی آواز حضرت خدیجہ کی آواز سے ملتی جلتی تھی۔ آنحضرت نے سنی تو فوراً حضرت خدیجہ یاد آگئیں۔ ارشاد ہوا کہ ہالہ ہونگی!" حضرت عائشہ پاس بیٹھی تھیں انہیں رشک ہوا اور بولیں" آپ ایک بڑھیا کو یاد کرتے ہیں جو مرچکیں حالانکہ خدا نے آپ کو ان سے اچھی بیویاں دی ہیں؟" جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہرگز نہیں جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں اور جب میرا کوئی مددگار نہیں تھا تو انہوں نے میری مدد کی (استیعاب)

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ سے بہت محبت تھی۔ تاریخ و سیر کی کتابوں میں کثرت سے واقعات مذکور ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اس محبت کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ مرض الوفات میں آپ کسی دوسری بیوی کے گھر میں مقیم تھے کہ دریافت فرمایا دو کل میں کس کے گھر میں رہوں گا؟ ازواج مطہرات منشاء مبارک سمجھ گئیں۔ سب نے کہا کہ آپ جہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چاہیں قیام فرمائیں۔ وقت آگیا تھا کہ یہ خاکدانِ عالم آفتاب نبوت کے جسد عنصری سے محروم ہوجائے اس لئے ضعف اس درجہ ہوگیا تھا کہ خود چل نہیں سکتے تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں بازو تھام کر بہ مشکل حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں لائے اور بالآخر ایک ہفتہ یہاں قیام فرمانے کے بعد رفیق اعلیٰ سے جاملے" غور کرو کتنا نازک مقام ہے۔ سید کونین کی اس دنیا سے رحلت کا وقت آگیا ہے۔ ایسے موقع پر ہر رفیقۂ حیات کی طبعی طور پر خواہش ہوسکتی تھی کہ آپ کی وفات اسی کے حجرہ میں ہو۔ تاکہ اس موقع سے فائدہ اٹھاکر اُسے زیادہ سے زیادہ کسب سعادت کا شرف حاصل ہو اور پھر دوسری بیویوں کا دن بھی ہے۔ لیکن آنحضرتؐ کے دل میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ غیر معمولی محبّت کی وجہ سے اس وقت جو آرزو ہے آپ اس کو پوشیدہ نہیں رکھتے۔ لیکن غایت خلق و کرم کے باعث زبانِ اشارہ سے اس کا اظہار فرماتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قلبی تعلق تھا آپ اس کو چونکہ ازواج مطہرات سے یا کسی اور سے چھپاتے نہیں تھے۔ بلکہ مختلف طریقوں سے اظہار ہوتا رہتا تھا۔ اس بنا پر ازواج مطہرات کو ناگواری ہوتی تھی اور کبھی حضرت فاطمہ کو اور کبھی حضرت زینب کو اپنی طرف سے وکیل بناکر اس معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کی غرض سے بھیجتی تھیں۔ چنانچہ ایک دفعہ جناب سیدہ فاطمہؓ نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ آپ حضرت عائشہؓ کو دوسری ازواج پر کیوں ترجیح دیتے ہیں تو صاف ارشاد ہوا کہ بیٹی! کیا جس کو میں چاہتا ہوں تم اس کو نہیں چاہتیں؟ حضرت فاطمہؓ چپ ہوگئیں اور ازواج مطہرات سے جاکر کہا کہ میں اب آئندہ اس معاملہ میں دخل نہیں دوں گی!

غور کرو ان سب واقعات سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ یہی نا کہ دل میں خیال کا لانا کجا۔ آنحضرتؐ وسلم ایک بیوی کی باری میں دوسری حرم محترم کا ذکر تک کرتے تھے اور ان کے ساتھ رفرماتے تھے۔ آنحضرتؐ کو معلوم تھا کہ اس سے دوسری بیویوں کو اذا رضی اللہ عنہا کے مطابق طبعی طور پر ناگواری ہوتی ہے لیکن عدل انہیں چیزوں میں ہوسکتا ہے جو انسان کے خود اپنے اختیار میں ہو۔ اور محبّت چونکہ غیر اختیاری چیز ہے کہ نہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس بنا پر اس میں عدل کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا تاہم کمال عبدیت کا تقاضا یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات میں عدل فرماتے تھے اور ساتھ ہی دعا کرتے تھے کہ

اللھم ھذہ قسمتی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک (ترمذی باب کاجاء فی التسویۃ بین الضرائر)

اے اللہ یہ میری تقسیم ان چیزوں میں ہے جن کا میں مالک ہوں۔ پس تو مجھ کو ملامت نہ کر ان چیزوں میں جن کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں!

اب اس کے بالمقابل جناب مولف کا یہ بیان پڑھئے کہ مولانا تھانوی ایک بیوی کی باری میں دوسری بیوی کا خیال لانا خلاف عدل سمجھتے تھے" اور بتائیے کہ العیاذ باللہ اس جملہ کا حاصل یہ نہیں ہے کہ اس معاملہ میں مولانا تھانوی کا مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اونچا ہے کہ جو کام آپ نہ کرسکے وہ مولانا نے کرکے دکھادیا۔ پھر مولانا عبد الباری ندوی فرماتے ہیں کہ مذکورۂ بالا جملہ کے بعد انھوں نے جو یہ لکھا ہے کہ "بھلا یہاں تک ذہن بھی کس کا جاسکتا ہے الخ" تو اس کی زد کس پر پڑ رہی ہے

وائے گر در پس امروز بود فردائے"

تعدد ازدواج اور شوہر کا دستور العمل

اور سنئیے! حضرت مولانا تھانوی نے غالباً عقد ثانی کے بعد اپنے ذاتی تجربات سے متاثر ہوکر تعدد ازدواج کے مسئلہ پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا ہے جس میں تعدد ازدواج کو ہر روایتی صراط مستقیم کی طرح بال سے باریک اور تلوار سے تیز بتایا گیا ہے اور یہاں تک فرمادیا ہے کہ "من نکردم شما حذر بکنید" (ص ۴۲۲) پھر آگے چلکر اس میں جو قباحتیں دشواریاں اور صعوبتیں ہیں ان کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں "تعدد میں پڑنا یا تو دنیا برباد و تلخ کرنا ہے اور یا آخرت و دین کو تباہ کرتا ہے (ص ۴۲۹) اس سلسلہ میں ہماری گذارش یہ ہے کہ بوشہ ہوس رانی اور لذت نفس کے لئے خواہ مخواہ تعدد ازدواج کی راہ اختیار کرنا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پسندیدہ نہیں ہے۔ لیکن یہ چیز اس درجہ قبیح اور لائق اجتناب بھی نہیں ہے جتنی کہ مولانا کے بیان سے ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ خود صحابہ کرام میں کثرت سے ایسے اصحاب ملیں گے جو ایک سے زائد بیویاں رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کی اس قدر آبادی میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک حد تک دخل تعدد ازدواج کو بھی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ تم ولود و ودود عورتوں سے شادی کرو تاکہ میں تمہاری وجہ سے دوسری قوموں کے مقابلہ میں فخر کروں یہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ کثرت آبادی کو بھی قومی طاقت و قوت کے پیدا کرنے میں دخل ہے۔ اس بنا پر آبادی میں اضافہ کے جو اسباب ہوں گے وہ بھی محمود ہوں گے۔ بہرحال اس کا دارومدار حالات و ظروف اور شخصی و قومی مصالح پر ہے ان مصالح کی اہمیت و ضرورت کے پیش نظر شخصی اعتبار سے تعدد ازدواج کبھی واجب ہوگا۔ کبھی مستحب۔ کبھی مباح۔ اور کبھی مکروہ۔ اس بنا پر مناسب یہ تھا کہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ پر گفتگو کرتے وقت ذرا وسعت نظر سے کام لیتے اور شخصی نفع و ضرر کے علاوہ قومی مفاد و مضار اور اجتماعی مصالح و حِکَم کو بھی پیش نظر رکھتے۔ خیر یہ مسئلہ تو اپنی جگہ الگ بحث و نظر کا محتاج ہے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تعدد ازدواج کی قباحتوں کو بیان فرمانے کے بعد مولانا نے ان لوگوں کے لئے جو اس میں مبتلا ہو ہی جائیں ایک دستور العمل بھی لکھا ہے جس میں شوہر کو آپ نے بارہ ہدایات دی ہیں۔ ان میں سے تین ہدایتیں، ۷، ۸ و نمبر ۹ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ایک کے ساتھ محبت کا اظہار دوسرے کے سامنے نہ کرے

(۲) ایک کی تعریف دوسری سے نہ کرے۔

(۳) غرض ایک کا تذکرہ دوسری سے نہ کرے (ص ۳۴۴)

اب آپ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ان ہدایات کو ملاحظہ فرمائیے اور ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے جو بعض واقعات اوپر بیان کئے گئے ہیں ان پر نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ

(۱) ایک کے ساتھ محبت کا اظہار دوسری کے سامنے کرتے تھے

ک کی تعریف دوسری سے کرتے تھے۔

ی کا تذکرہ بھی دوسری سے کرتے تھے۔ اب فرمائیے آپ کس کو حق اور قابل اتباع قرار

رے فاضل مؤلف کا مولانا تھانوی کی مذکورۂ بالا ہدایات کے متعلق ارشاد علی الاطلاق یہ ہے کہ نسخوں کے مجرب و تیر بہدف ہونے میں شبہ نہیں ہر ہر جزء حکیمانہ و عارفانہ ہے (ص ۳۵۰) اگر جناب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مؤلف کا یہ دعویٰ صحیح ہے تو وہ بتائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ان کا ارشاد کیا ہوگا؟

ایک تنبیہ | اس موقع پر ہمارے اعتراض کی نوعیت سے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی نہ ہونی چاہئے ہمارا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ مولانا تھانوی نے جان بوجھ کر اسوہ و سیرت نبوی کے خلاف یہ ہدایات دی ہیں بلکہ مولانا دراصل یہ سمجھتے ہیں کہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ذاتی طور پر یہ ہے لیکن چونکہ آپ نے اس بارہ میں کوئی تصریح نہیں فرمائی ہے اس بنا پر عام مصالح کے پیش نظر مولانا کو یہ رائے دینے کا حق حاصل ہے کہ مسلمانوں کو اپنے معاملات میں کیا کرنا چاہیئے۔ ہمارے نزدیک مولانا کا یہ نقطۂ نظر درست ہے اور اس بنا پر جہاں تک رائے اور مشورہ کا تعلق ہے مولانا پر اعتراض کی گنجائش نہیں البتہ اعتراض اور شکایت جو کچھ بھی ہے وہ جامع المجددین کے مؤلف سے ہے ان کو یہ دیکھنا چاہئے تھا کہ مولانا تھانوی جو کچھ فرماتے ہیں وہ کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے متصادم تو نہیں ہے اگر متصادم ہے اور یقیناً ہے تو پھر ان کو مولانا تھانوی کے مشورہ سے متعلق وہ الفاظ نہیں لکھنے چاہئیں تھے جو انھوں نے لکھے ہیں کیونکہ ان الفاظ کی زد سیرت نبوی پر پڑتی ہے۔

صفحات گذشتہ میں ہم نے مولانا تھانوی کے بعض واقعات پر جو نکتہ چینی کی ہے اس کی نوعیت اور حیثیت بھی یہی ہے یعنی ہر بزرگ کا ایک خاص مزاج اور ایک خاص افتاد طبع ہوتی ہے اس کے مطابق اس سے مختلف اعمال و افعال کا صدور ہوتا ہے اسی طرح بزرگوں پر خاص خاص حالات میں مختلف رنگ اور مختلف قسم کے احوال و کیفیات طاری ہوتے ہیں اور ان کے زیر اثر ان سے قولاً و عملاً مختلف قسم کی چیزیں صادر ہوتی ہیں۔ ایک سلیم الطبع مرید کا یہ فرض ہے کہ ان سب چیزوں کو قرآن و سنت کے معیار پر جانچے اور پرکھے اگر دونوں میں مطابقت ہو تو اس کو بے تکلف نقل کر دے اور اگر مطابقت نہ ہو تو اسے خاموش رہنا چاہئے اس وقت اس کے لئے نہ یہ مناسب ہے کہ وہ ان چیزوں کو اپنے مرشد پر نکتہ چینی کا اور تقبیح و مذمت کا ذریعہ بنائے اور نہ اس کے لئے کسی طرح یہ جائز ہوگا کہ اپنے مرشد کے قول و عمل کو اسوہ بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرے اور اس بات کا اعلان کرے کہ بس اس کے مرشد نے جو کیا ہے وہی حق ہے وہی صواب ہے اور وہی اسوہ ہے اور اس کے علاوہ کسی عالم کسی شیخ اور کسی بزرگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا بھی جو عمل ہے وہ لائق مذمت ہے اور قابل نفرت اگر جامع المجددین کے مصنف نے یہی نقطۂ نظر سامنے رکھا ہوتا تو مولانا تھانوی کے گذشتہ واقعات مثلاً نواز جنگ کو ان کے خط پر تنبیہ کرنا۔ خانقاہی مہمانی کو بند کر دینا بغیر اذن سابق کے دیوان خانہ میں شب باش ہو جانے پر باز پرس کرنا۔ جہاں کے اپنے کھانے پر دوسرے کو شریک کر لینے پر اس سے جواب طلب کر لینا ان سب کو وہ اس طرح پیش کرتے جس سے یہ معلوم ہوتا کہ مولانا جزئی سے جزئی اور معمولی سے معمولی بات کا بھی خیال رکھتے تھے اور چونکہ مزاج میں تشدد تھا اس لئے مریدین و معتقدین سے ادنیٰ فروگذاشت پر بھی کڑی باز پرس فرماتے تھے اور بس! اسی طرح عقد ثانی سے متعلق مولانا نے جو اپنے تاثرات بیان فرمائے ہیں لائق مؤلف کو سمجھنا چاہئے تھا کہ ان کی حیثیت ایک شخصی تاثرات کی ہے جو اس قسم کے مواقع پر ہر صاحب معاملہ کے دل میں پیدا ہو ہی جاتے ہیں ان تاثرات کو اولاً تو سرے سے جگہ ہی نہ دینی تھی اور اگرچہ ان کے ذکر کے لئے ایسا ہی بے تاب ہو رہا تھا تو ان کو ان کے اصل رنگ میں پیش کرنا چاہئے تھا ضرورت نہ تھی کہ انھیں رموز شریعت و طریقت کی حیثیت سے پیش کیا جاتا لیکن یہ تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ قرآن و سنت اصل کسوٹی اور معیاری حیثیت سے سامنے ہوں اور ایک بلند پایہ بزرگ کو صرف اس کے اسی مرتبہ و مقام تک محدود رکھنے کا جذبہ ہو اس کے برخلاف اگر پہلے سے یہ مان لیا گیا ہے کہ اس بزرگ کو جامع المجددین ہی ثابت کرنا ہے تو پھر ظاہر ہے کہ جو بھی بے اعتدالی ہو اور اس بے اعتدالی کی زد میں اکابر مشائخ و علما کا کیا ذکر پیغمبر اور پیغمبر کے ساتھی بھی آجائیں تو ذرا مستبعد نہیں۔

اے کاش لائق مصنف کو معلوم ہوتا کہ کمبخت شیطان کے راہ مارنے کے طریقے ایک نہیں ہزاروں ہیں کبھی یہ بدی کے راستہ پر لگا کر انسان کو خسر فی الدنیا والاخرۃ کا مصداق بناتا ہے اور کبھی نیکی میں غلو پیدا کر کے اسے راہ سے بے راہ کر دیتا ہے کبھی خدا اور مذہب کا منکر بنا کر ہلاک ۔۔۔ عبادات میں اس درجہ انہماک پیدا کر کے آخرت خراب کر دیتا ہے کہ انسان حقوق العباد کے حق سے غافل ہو کر احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرنے لگتا ہے

حضرت بایزید بسطامیؒ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ چلہ کر کے حجرہ سے باہر تشریف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لائے تو دیکھا کہ زمین سے آسمان تک نور ہی نور ہے حضرت نے پوچھا من انت تو کون ہے آواز آئی انا ربک میں تیرا رب ہوں حضرت بایزید نے کہا لاحول ولا قوۃ الا باللہ نور فوراً منتشر ہونے لگا اور اس سے آواز آئی کہ بایزید آج تمہارے علم نے تم کو بچا لیا ورنہ یہی حربہ ہے جس سے میں نے سینکڑوں عابدوں کی عبادت کو برباد کر دیا ہے اب حضرت نے پھر لاحول پڑھی اور لعین کو کمبخت! یہ تیرا دوسرا حربہ ہے میں ہرگز اپنے علم پر ناز نہیں کروں گا۔ بلکہ یہ صرف خدا کا فضل و کرم ہے جس نے مجھ کو تیرے دام تزویر سے بچا دیا فالحمد للہ علی ذالک حضرت شاہ حاجی امداد اللہ صاحب۔ مہاجر مکی نے اپنی کتاب غذائے روح میں ایک فاسق عالم زادہ اور جاہل عابد کا قصہ لکھا ہے کہ یہ عابد اپنی ایک آنکھ پر ہمیشہ پٹی باندھے رکھتا تھا اور ساتھ ہی ناک میں کسی نجس چیز کی ایک بتی رکھتا تھا۔ اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو بولا کہ قرآن مجید میں فضول خرچی اور اسراف کی مذمت کی گئی ہے اور چونکہ دیکھنے میں ایک آنکھ بھی وہی کام کرتی ہے جو دونوں آنکھیں کرتی ہیں اس لئے دوسری آنکھ سے کام لینا فضول خرچی ہے۔ رہی بتی تو بات یہ ہے کہ روحانیت پیدا کرنے کے لئے نفس کشی ضروری ہے اور چونکہ میرا نفس عطر و خوشبو کا بہت دلدادہ ہے اس لئے اسے مارنے کے لئے اس کی ضد میں میں نے یہ بدبودار بتی رکھ چھوڑی ہے۔ یہ عابد سالہا سال سے اسی معمول کا پابند تھا۔ اور کوئی اسے بتلانے والا نہیں تھا کہ وہ کس گمراہی میں مبتلا ہے۔ آخر فاسق عالم زادہ کی اور اس عابد کی جب ملاقات ہوئی تو اس نے بتایا کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ اور شرعی مسئلہ کیا ہے؟

ایک سوال اور اس کا جواب یہاں مسئلہ زیر گفتگو سے متعلق ایک سوال پیدا ہوتا ہے جو دلچسپ بھی ہے اور بنیادی اعتبار سے سبق آموز بھی، سوال یہ ہے کہ اچھا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات کے ساتھ جو معاملہ تھا جس کا اوپر ذکر ہوا وہ سنن عادیہ کے تحت میں داخل ہے اور اس بنا پر اس کا اتباع شرعاً واجب نہیں اور اسی وجہ سے مولانا تھانوی یا کسی دوسرے بزرگ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خاص مصالح کے پیش نظر اس کے خلاف عمل کرنے کا مشورہ دیں۔ لیکن آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور مولانا تھانوی کے مشورہ میں تضاد کی وجہ کیا ہے؟ بہ ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا تھانوی کے ارشاد

© rasailojaraid.com